ج ۱،ص ۲۳۲

۱۲۔النیسابوری، مسلم بن الحجاج ،المسند الصحیح المختصر(صحیح مسلم)،تحقیق: فواد عبد الباقی ،دار احیاء التراث العربی، بیروت،س۔ن ،حدیث نمبر۵۳۳، ج ۱،ص ۳۷۸

۱۳۔الکھف ۔۱۶، ۱۷

۱۴۔البخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ،الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (صحیح البخاری)، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق نجاۃ،بیروت ،طبع اول ،۱۴۲۲ھ،حدیث نمبر ۴۳۳، ج ۱،ص ۹۴ ۱،حدیث نمبر ۳۴۷۸،ج ۴،ص ۱۴۹

۱۵۔البقرۃ۔۹۱

۱۶۔فصلت:۱۶

۱۷۔الفرقان۔۶۶

۱۸۔المائدہ۔۳۱

۱۹۔الطبری،ابوجعفر محمد بن جریر،جامع البیان فی تاویل آی القرآن (تفسیر طبری)،تحقیق: احمد محمد شاکر،موسسۃ الرسالۃ ،بیروت،طبع اول،۲۰۰۰ ،ج ۱۰،ص ۱۶۸

۲۰۔طٰہٰ۔۱۲

۲۱۔سبا۔۱۵

۲۲۔النحل۔۴۲، ۴۳

۲۳۔الفتح۔۲۵

۲۴۔البقرۃ۔۴۷

۲۵۔ایضاً۔۵۸

۲۶۔النور۔۳۶

۲۷۔عبس۔۳۱

۲۸۔المرسلات۔۲۵، ۲۶

۲۹۔یٰس۔۵۱۔۵۲

۳۰۔التوبہ۔۸۳

۳۱۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث ،السجستانی، سنن ابی داؤد،تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، المکتبۃ العصریۃ ، بیروت، س۔ن ،حدیث نمبر ۳۹۰۰،ج ۴،ص ۲۷۵

۳۲۔الترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی،تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ،المصر ،طبع دوم ۔۱۹۷۵ ،حدیث نمبر ۹۹۴، ج ۳،ص ۳۱۰

۳۳۔ابن ماجہ،ابوعبداللہ،محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ،تحقیق: محمد فواد عبدالباقی ،دار احیاء الکتب العربیۃ ،حدیث نمبر ۱۳۵۵، ج ۱،ص ۳۶۸

۳۴۔الدارقطنی ،ابوالحسن علی بن عمر ،البغدادی، سنن الدارقطنی،تحقیق: شعیب الارنؤوط، حسن عبدالمنعم شلبی ،عبداللطیف حرز اللہ ،احمد برھوم ،موسسۃ الرسالۃ ،بیروت ،طبع اول ،۲۰۰۴ ،حدیث نمبر ۱۸۱۱، ج ۲،ص ۴۳۰

۳۵۔صحیح مسلم ،حدیث نمبر ۹۶۰، ج ۲،ص ۶۶۰

۳۶۔ایضاً، حدیث نمبر ۹۷۲، ج ۲ ،ص ۶۶۸

۳۷۔النووی ،ابوزکریا محی الدین، یحیی بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ،دار احیاء التراث العربی، بیروت ،طبع

دوم ۱۳۹۲ھ، ج ۷، ص ۴۷

۳۸۔ ابو حفص، عمر بن ابراھیم، الانصاری، القرطبی، المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب المسلم، باب فی کیفیۃ القبور، ج ۸، ص ۱۰۲

۳۹۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۹۷۱، ج ۲، ص ۶۶۷

۴۰۔ الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، شرح معانی الآثار، تحقیق: محمد زہری نجار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۳۹۹ھ، حدیث نمبر ۲۷۱۶، ج ۱، ص ۵۱۷

۴۱۔ ابن حنبل، ابو عبداللہ، احمد بن محمد، الشیبانی، مسند احمد بن حنبل، تحقیق: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد، وآخرون، موسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع اول، ۲۰۰۱ء، ج ۳۹، ص ۴۷۶

۴۲۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۳۲۲۱، ج ۳، ص ۲۱۵
۴۳۔ الواقعہ۔ ۷۹

۴۴۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۰۰، ج ۴، ص ۱۸۶۵
۴۵۔ البقرۃ۔ ۲۴۸

۴۶۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ج ۵، ص ۳۳۰۔۳۳۵

۴۷۔ یوسف۔ ۹۶
۴۸۔ التوبہ۔ ۱۰۸
۴۹۔ الحجرات۔ ۰۷

۵۰۔ المجادلہ۔ ۲۲
۵۱۔ الکھف۔ ۲۸

۵۲۔ البوصیری، ابو العباس، شہاب الدین احمد بن ابی بکر بن اسماعیل، الکنانی، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، دار الوطن للنشر، الریاض، طبع اول ۱۹۹۹ء، حدیث نمبر ۱۹۵۳، ج ۲، ص ۳۸۹

۵۳۔ صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۰۳

۵۴۔ الصنعانی، ابو بکر عبد الرزاق بن ھمام، المصنف، تحقیق: حبیب الرحمان الاعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع دوم ۱۴۰۳ھ، حدیث نمبر ۶۲۸۴، ج ۳، ص ۵۰۲

۵۵۔ بالشت: پورا ہاتھ اچھی طرح کھول کر انگوٹھے کے سرے سے لے کر چھوٹی انگلی کے سرے تک جو فاصلہ بنتا ہے اسے کہتے ہیں۔ اور یہ تقریباً ۹ انچ ہے۔

۵۶۔ النحل۔ ۱۔۵
۵۷۔ الحج۔ ۳۰
۵۸۔ البقرۃ۔ ۱۱۴

۵۹۔ التوبہ۔ ۱۹
۶۰۔ التوبہ۔ ۱۸
۶۱۔ الاعراف۔ ۳۱

۶۲۔ المجادلۃ۔ ۱۱
۶۳۔ العنکبوت۔ ۵۶
۶۴۔ البقرۃ۔ ۱۵۸

۶۵۔ سنن الترمذی، حدیث نمبر ۱۰۴۹، ج ۳، ص ۳۵۷

۶۶۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۹۶۸، ج ۲، ص ۶۶۶

۶۷۔ابن سعد، ابو عبداللہ، محمد ابن سعد البصری، الطبقات الکبری، تحقیق: احسان عباس، دار صادر بیروت، طبع اول۔ ۱۹۶۸، ج ۲، ص ۱۰۰

۶۸۔ایضاً۔ ج ۲، ص ۱۰۵

۶۹۔صحیح البخاری، حدیث نمبر ۲۹۶۰، ج ۷، ص ۳۷۴

۷۰۔ان روایات میں بعض نے تطبیق کی کوشش بھی کی ہے لیکن اس تطبیق سے چونکہ ہمارے موضوع کا تعلق نہیں اس لیے ہم نے اس کو بیان نہیں کیا۔ تطبیق کے لیے ملاحظہ کریں: اخلاق حسین قاسمی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلابی سیرت، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ص ۱۸۹،۱۹۰

۷۱۔الفتح۔۱۸

۷۲۔البقرۃ۔۲۶

☆☆☆☆☆

مقاماتِ مقدسہ کے انہدام کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر عثمان احمد*

The human being has been bestowed with inborn instinct of loving scared places to satisfy his spiritual thrust. People sometime express their love to sacred places in exaggerated manner that evolves doubts and discussions. A group of scholar is of the view that all such places should be demolished when polytheism is suspected or found there. While majority of the Islamic Scholars are of the opinion that sacred places or persons cannot be declared root cause of polytheism and demolishing them is not legitimate act. The article has been written to discuss the issue in a balanced mode without biasness and sectarian rigidness.

اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے خمیر میں ہے۔انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے خدا آگاہ اور رب شناس ہے۔روزِ ازل انسانی شخصیت کے اندر کی گئی اس تخم ریزی کے بارے قرآن مجید آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربكم قالوا بلیٰ شهدنا (۱) (اور تیرے رب نے جب اولادِ آدم کو ان کی پشت سے نکالا اور انھیں اپنی ذات پر گواہ بناتے ہوئے کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ہم سب گواہی دیتے ہیں)اول دن سے انسان کے وجود و بطون میں رکھی گئی یہ محبت اپنے اظہار کے راستے تلاش کرتی ہے۔ادیان کا سلسلہ اسی محبتِ الٰہی کی تسکین کا تشریعی نظام ہے۔عبودیت کے مظاہر و اعمال کے ذریعے اپنے رب سے تعلق کا اظہار کر کے انسان سکون پاتا ہے۔اس اظہار کے لیے اسے جہاں اعمال و افعال کا خاص سلسلہ درکار ہوتا ہے وہاں اسے خارج میں موجود ایسے مقامات اور علامات کی بھی طلب ہوتی ہے جہاں وہ رب کے حضور اپنے تعلق کے اظہار کے لیے جا سکے۔اللہ تعالیٰ نے اگر انسان کو اپنے سے تعلق کے اظہار و اقرار کے لیے نماز عطا کی اور واسجد واقترب (۲) کا حسین طریقہ عطا کیا تو وہاں اس کی روحانی تسکین کے لیے مسجد کی صورت میں ایک مقام عطا کیا کہ جہاں وہ اپنے دلی جذبات کو عبادت میں ڈھال سکے اور خود اللہ نے فرمادیا ان المساجد للہ (۳)۔اللہ تک رسائی تو انسان کے لیے اس ناسوتی عالم میں ممکن نہیں لیکن اس کی جبلی تسکین کے لیے ایسا مظہر ہونا ضروری تھا کہ جہاں وہ جائے تو اسے یہ احساس ہو کہ وہ اللہ سے ملنے آیا اور یہ اللہ کا گھر ہے۔چنانچہ

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

اس کے لیے الٰہی انتظام یہ کیا گیا کہ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین (۴) ۔گویا رجال صالحین، اعمال صالحہ اور مقامات مقدسہ کا یہ سارا سلسلہ اس ’’خوگر پیکر محسوس‘‘ (۵) انسان کی روحانی ضرورت کو پورا کرنے کا ربانی انتظام و انصرام ہے۔اگر انسانوں کو رجال صالحین کی ضرورت نہ ہوتی تو ولکل قوم ھاد (۶) اور وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (۷) کا اصول کائنات میں جاری نہ کیا جاتا۔اگر اعمال صالحہ اللہ سے محبت کے اظہار کا وسیلہ نہ ہوتے تو انسانوں میں لئن اقمتم الصلاۃ و آتیتم الزکاۃ (۸) اور کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم (۹) کے سلسلے کا آغاز نہ ہوتا۔اگر مقامات مقدسہ انسان کی روحانی ضرورت نہ ہوتے تو وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (۱۰) کے احکامات نہ نافذ کیے جاتے۔موخر الذکر آیت ثابت کرتی ہے کہ مقامات مقدسہ کی جانب سفر انسان کے روحانی ارتقاء کا ذریعہ بنایا گیا۔مقامات مقدسہ میں قیام اور وہاں وقت صرف کرنا انسان کے لیے باعث خیر و برکت قرار دیا گیا۔

مقامات مقدسہ کی تعریف

مقامات مقدسہ سے متعلق بہت بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا کہ مقامات مقدسہ سے کون سی جگہیں مراد ہوتی ہیں؟ وہ کون سا معیار اور اصول ہے کہ جس کی بنیاد پر کوئی جگہ مقدس قرار دی جاتی ہے؟ اگر ان تمام مقامات کا استقراء کیا جائے جنھیں آج متفق علیہ طور پر مقدس مقامات کا درجہ دیا جاتا تو یہ بات سامنے آتی کہ ہر وہ مقام اور جگہ مقدس کہلانے کی حق دار ہے جس کے بابرکت اور رحمت الٰہیہ کا مورد ہونے کا ذکر نصوص قرآن وحدیث میں عبارتاً، اشارتاً، دلالتاً یا اقتضاءً موجود ہو۔یا نصوص شرعیہ سے اس کا مقدس ہونا مستنبط ہوتا ہو اور یہ استنباط بعید نہ ہو۔(۱۱) مثلاً مسجد کا مقدس جگہ ہونا نصوص سے واضح طور پر عبارۃ النص سے ثابت ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من بنیٰ للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (۱۲) اسی طرح نصوص سے اشارتاً یہ ثابت ہوتا کہ وہ مقامات اور جگہیں جو اللہ کے صالح و مقبول بندوں سے اس طرح منسوب ہو جائیں کہ ان مقامات اور جگہوں کی اصل شناخت صالحین سے نسبت بن جائے تو ان میں تقدس پیدا ہو جاتا۔ جیسا کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے اشارتاً ثابت ہوتا ہے۔ان رجال صالحین کے وہاں چلے جانے کے باعث کہف کو اللہ کی رحمتیں حاصل ہوگئیں۔قرآنی بیانات سے اس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فاووا الی الکھف ینشر لکم ربکم من رحمۃ ویھیء لکم من امرکم مرفقا وتری الشمس اذا طلعت تزاور عن کھفھم ذات الیمین واذا غربت تقرضھم ذات

الشمال وهم في فجوة منه ذالك من آيات الله من يهد الله فهو المهتد (۱۳)(چلو آ ؤ غار میں پناہ لیں،تمہارے لیے تمہارا رب اپنی رحمت بکھیر دے گا،تمہارے معاملے میں کوئی آسانی راہ نکال دے گا۔آپ اس وقت دیکھتے کہ سورج جب طلوع ہوتا تو ان کی غار کے دائیں طرف سے چکر کاٹ کر گزر جاتا اور جب غروب ہوتا تو ان کی بائیں جانب سے چکر کاٹتا اور وہ سب ایک درمیانی جگہ میں تھے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جسے اللہ چاہتا ہے ہدایت دے دیتا) اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین دن کے قیام سے غارِ ثور مقدس ہوگیا۔اس کے برعکس نافرمان اور باغی قوموں کے اوطان جو عذاب الٰہی کا شکار ہوئے نحوست ولعنت کا مورد بن جاتے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں لشکر اسلام کا گزر اصحاب حجر کے علاقے سے ہوا تو صحابہ کی ایک جماعت اس معذب علاقے میں داخل ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس علاقے میں داخل نہ ہو اور اگر گزرنا پڑے تو خشیت الٰہی سے روتے ہوئے داخل ہو۔کچھ صحابہ نے اس علاقہ سے کنواں سے پانی لیا تھا اور آٹا بھی گوندھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی اور آٹا پھینکوا دیا۔(۱۴) کیا صدیوں پہلے آنے والے عذاب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس علاقے کے بارے یہ رویہ اختیار فرمانا اس بات کی طرف اشارہ نہیں رحمت اور سعادت علاقوں کے ساتھ منسلک ہوتی ۔بعض مقامات اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مورد بن کر مقدس ہو جاتے اور بعض مقامات مغضوب ومقہور ہو کر منحوس بن جاتے۔معاصی وسیئات کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اقوام،اوقات اور مقامات کو مغضوب کر دیا۔چناچہ یہود کے بارے کہا ضربت عليهم الذلة و المسكنة و باؤ بغضب من الله (۱۵)(ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور اللہ کے غضب میں گھر گئے)اوقات وایام کو نحس قرار دیتے ہوئے قرآن نے کہا في ايام نحسات لنذيقهم عذاب الخزي (۱۶) (چند منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں رسوا کن عذاب کا مزا چکھائیں) جہنم کے بارے کہا ساءت مستقرا و مقاما (۱۷)(برا ٹھکانا اور برا مقام ہے)

جب اعمال بد کے نتیجے میں اوقات ومقامات لعنت وغضب الٰہی کا شکار ہو جاتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حسنات وصالحات کے نتیجے میں کچھ اوقات ومقامات کو شرف تقدس حاصل نہ ہو؟ المختصر ہر وہ مقام اور جگہ مقدس کہلانے کی حق دار ہے جس کے بابرکت اور رحمت الٰہیہ کا مورد ہونے کا ذکر نصوص قرآن وحدیث میں عبارتاً،اشارتاً،دلالتاً یا اقتضاءً موجود ہو یا نصوص شرعیہ سے اس کا مقدس ہونا اجتہاداً مستنبط ہوتا ہو۔

قرآن میں مقامات مقدسہ کے تذکار وآداب

قرآن مجید کی متعدد آیات میں بالتصریح بعض مقامات کو مقدس ومبارک کہا گیا ہے۔یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ مقامات مقدسہ کا وجود ہوتا ہے اور اللہ کی جانب سے بعض جگہوں منتخب کر لیا جاتا ہے جو اس کی رحمتوں، برکتوں اور انوارات وتجلیات کا مرکز بنتی ہیں۔ ذیل میں چند قرآنی نصوص پیش کی جاتی ہیں

۱۔ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کو دیا گیا حکم نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یا قوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم (۱۸)(اے قوم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارا مقدر کر دی اور اپنی پیٹھ پھیر کر نہ جاؤ)۔ ارض مقدس سے مراد مفسرین کے نزدیک بالاختلاف طور، شام، اریحا، فلسطین واردن ہیں۔(۱۹) جو بھی سرزمین اس سے مراد ہو بہر حال قرآن کی نص صریح مقامات وبلاد کے مقدس ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس آیت میں ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم سے مقامات مقدسہ کے دو آداب مستنبط ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہاں اللہ کی نافرمانی سے گریز کرنا افرض واولی ہو جاتا کیونکہ ارض مقدس کا ذکر کر کے ساتھ خصوصاً پیٹھ پھیر کے بھاگنے کے گناہ کبیرہ کا ذکر کیا گیا۔ دوسرا مقدس چیزوں کی جانب بلاضرورت پشت کرنا بھی خلاف اولیٰ ہے۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی (۲۰)(میں تمہارا رب ہوں تم اپنے نعلین اتارو تم مقدس وادی طوی میں ہو)۔ اس آیت میں ایک تو اللہ کے الفاظ میں طویٰ کے وادی کو مقدس کہا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مقدس مقامات کا ادب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ناپاک چیزوں کے ساتھ اس میں داخل جائز نہیں۔

۳۔ قوم سبا کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا لقد لسباء فی مسکنهم آية جنتان عن يمين وشمال كلو من رزق ربكم و اشكروا له بلدة طيبة و رب غفور (۲۱)(قوم سبا کے گھروں میں دو باغوں کی ایک نشانی تھی ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب، (انہیں کہا گیا کہ) اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، ایک پاکیزہ شہر تھا اور رب غفور کی مہربانی) قوم سبا کو انعامات الہیہ ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے خود ان کے شہر کو" بلدة طيبة (پاکیزہ شہر)" فرمایا۔ اور آیت کا سیاق وسباق اس بلدة طيبة کا ادب شکر خداوندی اور طلب مغفرت کو قرار دیتا ہے۔ لیکن قوم نے بلدة طیبہ کا لحاظ نہ کیا اور اللہ کی حمد وثنا کو بھی اپنا وظیفہ نہ بنایا تو ان کو تباہ کر دیا گیا۔ اس میں یہ اشتباہ لاحق نہیں ہونا چاہیے کہ مقدس جگہ پر عذاب کیسے نازل ہو گیا؟ قرآن نے تو مکہ کے بارے کہا ہے ضرب الله مثلا قرية كانت آمنة مطمئنة ياتيها رزقها رغدا من كل مكان فكفرت بانعم الله فاذاقها الله لباس الجوع و الخوف بما كانوا يصنعون ولقد جائهم رسول منهم فكذبوه فاخذهم العذاب و هم ظالمون (۲۲)(اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو

اطمینان والی، امن والی تھی، اس میں ہر طرف سے فراوانی سے رزق آتا تھا، اہل بستی نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اختیار کی، پھر اللہ نے ان پر بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا اس کے سبب جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس انہیں میں سے رسول آیا تو انہوں اس کی تکذیب کی، پس ان کو عذاب نے آلیا اور وہ ظالم تھے) دوسری جگہ کہا کہ اگر مکہ میں اہل ایمان کا وہ گروہ نہ ہوتا جو اپنا ایمان ضعف و بے چارگی کے باعث چھپا کے رو رہا ہے تو وہاں عذاب آجاتا۔ قرآن کا ارشاد ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا** (۲۳) اسی طرح بنی اسرائیل کے بارے قرآن نے کہا۔ **یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین** (۲۴) یہی قوم جو عالمین پر فضیلت کی حامل تھی ان کے بارے کہا گیا **ضربت علیهم الذلة والمسکنة** ۔ لیکن ہم نے جیسا کہ آغاز میں کہا کہ مقدس قرار دینے کے لیے نصوص سے ثابت کرنا ضروری ہے اسی طرح اگر جزوقتی عذاب آیا تو اس سے اس جگہ کے تقدس کا خاتمہ ہو گیا اس بات کے ثبوت کے لیے بھی نص درکار ہوگی۔

۴۔ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا **واذ قلنا ادخلوا هذه القریة فکلوا منها حیث شئتم رغدا وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة** (۲۵) (اور ہم نے جب کہا کہ اس قریہ میں داخل ہو جاؤ پس جیسے دل چاہے یہاں سے کھاؤ پیو اور دروازے سجدے کی حالت میں داخل ہونا اور حطہ (مغفرت فرما) کہتے رہنا)۔ اس آیت سے ثابت ہوتا کہ مقامات مقدسہ کی جانب سفر کرنے کا حکم، ربانی حکم ہے اللہ نے بنی اسرائیل کو خود حکم دیا "**ادخلوا هذه القریة**"۔ دوسرا داخل ہونے کا ادب خود اللہ جل شانہ نے بتایا کہ سجدہ و استغفار کی حالت میں داخل ہو۔

۵۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ **فی بیوت اذن الله ان ترفع ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والآصال** (۲۶) (ان گھروں میں کہ جن سے ناپاکی دور کر دینے کا اللہ کے حکم دیا ہے، ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی صبح شام تسبیح کی جاتی ہے) ان گھروں کی اللہ نے شان بیان فرمائی اور ان کو ناپاکی سے دور رکھنے کا ادب بتایا۔ بعض مفسرین نے "ترفع" کی تفسیر یہ بھی کی ہے کہ ان کی عمارت کو بلند کیا جائے۔ اگر یہ تفسیر درست مان لی جائے تو مقدس مقامات کا ایک اور ادب سامنے آتا کہ ان کے سامنے کسی دوسری جگہ کو ایسا نہ بنایا جائے کہ مقابلہ محسوس ہو۔

یہ چند امثلہ بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہیں جو مقدس مقامات کے وجود اور ان کے بابرکت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

کیا قبور کو مقدس مقامات قرار دیا جاسکتا ہے؟

ایک بہت بنیادی سوال جو اس فصل کے مرکزی خیال کی حیثیت رکھتا ہے یہ ہے کہ کیا قبور کو مقامات مقدسہ میں شامل کیا جاسکتا ہے؟ ذیل میں اس سے متعلق نصوص شرعیہ کی روشنی میں چند اصولی نکات پیش کیے جائیں گے۔

اول: قبر میں دفن کرنا شرعاً واجب ہے۔

قرآن وسنت کی نصوص کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی عذر شرعی مانع نہ بنے تو ہر مسلمان کو زمین میں دفن کرنا واجب ہے۔ دفن کرنے کے لیے زمین کھود کر کو مخصوص انداز میں جو گڑھا تیار کیا جاتا ہے اس کا اصطلاحی نام قبر ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ثم اماته فاقبره ۔(۲۷)(پھر اسے موت آئی اور اس کو قبر میں دفن کردیا جاتا ہے) دوسری جگہ فرمایا۔ الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا ۔(۲۸)(کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کا گھر نہیں بنایا) اسی قرآن نے روز حشر کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الیٰ ربهم ینسلون. قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا (۲۹)(اور صور پھونکا جائے گا پھر وہ اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ کہیں گے ہائے افسوس ہمیں ہماری قبروں سے کس نے نکال کھڑا کیا)۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیا گیا تو فرمایا ولا تقم علیٰ قبره (۳۰) یہ تمام آیات قبر بنانے اور اس میں تدفین کی مشروعیت کو ثابت کرتے ہیں۔

دوم۔ میت اور قبر کا احترام کرنا شریعت اسلامیہ کا حکم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی متعدد روایات صحیحہ اس پر دال ہیں میت اور قبر کا احترام کرنا مشروع ہے۔ اور احترام سے مراد یقیناً ادب کا معروف انداز اور رویہ اختیار کرنا ہے نہ کہ تعظیم میں افراط و غلو کی آخری حدوں کو چھو کر افعال شرکیہ میں مبتلا ہو جانا ہے۔

میت کے احترام کے شرعی مظاہر متعدد ہیں ان میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اذکروا محاسنَ موتاکم و کُفّوا عن مساویهم (اپنے فوت شدگان کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی غلطیوں کا تذکرہ کرنے سے احتراز کرو) (۳۱)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: البسوا من ثیابکم البیاض فانها من خیر ثیابکم و کفنوا بها موتاکم (۳۲) (اپنے کپڑوں میں سفید کو پہننے کو ترجیح دیا کرو۔ بے شک وہ تمہارے کپڑوں سے بہترین ہے

اور اپنے مردوں کو اس کا کفن پہنایا کرو)

۳۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اذا حضرتم موتاکم فاغمضوا البصر فان البصر یتبع الروح وقولوا خیرا فان الملا ئکۃ تؤمن علی ما قال اھل البیت (۳۳)(جب تم اپنے فوت شدہ لوگوں کی نعش کے پاس آؤ تو ان کی آنکھیں بند کر دیا کرو کیونکہ آنکھیں روح کے تعاقب میں ہوتی ہیں۔اور میت کے بارے خیر کے کلمات کہا کرو۔فرشتے گھر والوں کی بات پر آمین کہتے ہیں)

۴۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایالا تنجسوا موتاکم فان المسلم لیس بنجس حیا و لا میتا (۳۴)(اپنے مردوں کی میتوں کو نجس مت سمجھا کرو۔کوئی مسلمان زندہ ہو یا مردہ نجس نہیں ہے)

۵۔روایت کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ ایک جنازہ کے آنے پر احترام میں کھڑے ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ یہودیہ کا جنازہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان الموت فزع فاذا رایتم الجنازۃ فقوموا (۳۵)(بے شک موت ایک پریشان کر دینے والی چیز ہے پس جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو)

اب قبر کے احترام کے شرعی نظائر ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

ا۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر بیٹھنے کو منع فرمایا۔ارشاد نبوی ہے لا تجلسوا علی القبور"(۳۶) قبروں کے اوپر نہ بیٹھو۔امام نووی فرماتے ہیں المراد بالجلوس القعود عند الجمہور (۳۷)(جمہور کے نزدیک یہاں جلوس سے مراد بیٹھنا ہے) اس کی شرح میں صاحب المفھم لکھتے ہیں۔ فمنھم من حملہ علیٰ ظاھرہ من الجلوس، ورای ان القبر یحترم کما یحترم المسلمون فیہ فیعامل بالادب و بالتسلیم علیہ (۳۸)(ان میں سے جنہوں نے اس کو ظاہر پر محمول کیا،اور ان کی رائے ہے کہ اسی طرح محترم ہے جیسے مسلمانوں کا احترام کیا جاتا ہے۔چنانچہ ان سے ادب اور سلام کہنے کا معاملہ کیا جاتا ہے)

۲۔ارشاد نبوی ہے لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر (۳۹)(تم سے کوئی انگارے پر بیٹھ جائے اور اس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور وہ اس کی جلد تک پہنچ جائے یہ اس سے آسان بات ہے کہ وہ کسی قبر کے اوپر بیٹھے)

۳۔ابن عمرؓ سے مروی اثر میں قبور کے احترام کا حکم ان الفاظ میں ہے۔ انما نھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الجلوس علی القبور لحدث غائط او بول (۴۰)(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کے پاس اس غرض سے بیٹھنے سے منع فرمایا کہ کوئی پاخانہ پیشاب کی غرض سے اس پر بیٹھے)

۴۔ عمرو بن حزم سے روایت ہے۔ رآنی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متکی علی القبر فقال لاتوذ صاحب القبر (۴۱) (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں قبر پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں، تو فرمایا قبر والے کو اذیت مت دو)

۵۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم وسلوا له بالتثبیت (۴۲) (قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے پھر فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو)

قبر کے عمومی احترام کے دلایل کے بعد بعض قبور کے بالخصوص مقدس ہونے کے معاملہ پر شرعی نصوص کی روشنی میں گفتگو کی جائے گی۔

اول: کیا صاحب قبر کے تقدس کے باعث قبر مقدس ہو جاتی؟

یہ امر شرعاً اور عقلاً مسلم ہے کہ تقدیس ایک امر متعدی ہے۔ بابرکت اور مقدس چیز سے اتصال و لزوم کے نتیجے میں منسلک ہونے والی چیز بھی تقدس حاصل کر لیتی۔ قرآن کے اوراق اور اس کی جلد میں لگا ہوا گتہ بھی قرآن کے اتصال کے باعث تقدس حاصل کر لیتا ہے اور لا یمسه الا المطهرون (۴۳) کے حکم میں شامل ہو جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کو اپنی قمیص عطا کی کہ اپنے باپ کی میت کو اس سے کفن دیں (۴۴) تقدس امر متعدی ہے اور مقدس اشخاص و مقامات کے ساتھ نسبت حقیقی و اصلی حاصل ہو جانے کے باعث منسوب چیز بھی مقدس ہو جاتی ہے، قرآنی نصوص سے ثابت ہے۔ اس کے دو نظائر قرآن سے پیش کیے جاتے ہیں

ا۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ وقال لهم نبيهم ان آية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم وبقية مما ترك آل موسىٰ و آل هارون تحمله الملائكة (۴۵) (اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اس کی بادشاہت کی خدائی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہوگی اور اس میں آل موسیٰ و آل ہارون کی باقیات ہیں اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے)

طالوتؑ کو جو نشانی عطا کی گئی وہ تابوت تھا جس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی باقی اشیاء جن میں دونوں کے عصا، کپڑے، جوتے اور تورات کی ٹوٹی تختیاں تھیں (۴۶) بنی اسرائیل کے لیے یہ نشانی طالوت کی بادشاہت کے حق ہونے کے ثبوت کے طور پر تھی۔ ان اشیاء کا تقدس کہ ان کو فرشتے اٹھا کے لائیں اور اللہ کی طرف سے بطور نشانی عطا ہوں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مقدسین کے ساتھ نسبت حقیقی حاصل ہو جانے پر صاحب نسبت میں

تقدیس آجاتی ہے۔

۲۔قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ یوسفؑ نے فرمایا۔ اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علیٰ وجھہ فارتد بصیرا (۴۷)(میری یہ قمیص لے کر جاؤ اور اسے ان (یعقوبؑ) کے چہرے پر ڈال دینا پس اس سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی)۔ایک رسول کا اپنی قمیص کا اپنے والد کے لیے جو کہ خود رسول تھے، بھیجنا نہ تو امر عبث تھا اور نہ ہی غیر ضروری۔ بینائی کے لوٹ آنے کے بیسیوں ذرائع ہو سکتے ہیں لیکن میلوں کا سفر کر کے قمیص لے کے جانا پھر اسے آنکھوں پر ملنا اس بات کا ثبوت کہ تقدس رجال صالحین سے ان کی منسوب اشیاء میں منتقل ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غار حرا اور غار ثور میں تشریف فرما ہونے سے ان مقامات کو شرف حاصل ہونا بھی اسی کی دلیل ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تقدس و شرف امر متعدی ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ مانا جائے کہ رجال صالحین کی قبور بھی مقدس ہوتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس زمین میں دفن ہیں اس کو جو شرف حاصل ہے وہ صاحب قبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کے باعث حاصل ہے۔ البتہ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا کہ رجال صالحین کی قبور کے تقدس کو مان بھی لیا جائے تو کسی صاحب قبر کی قبر کو مقدس ماننے سے پہلے اس کا رجل صالح نصوص شرعیہ سے ثابت کرنا ہوگا۔ ورنہ کسی قوم کا کسی فرد کو رجل صالح کہنا محض ظن و تخمین ہے کیونکہ عنداللہ صالحیت کا اس دنیا میں کیسے پتا چل سکتا۔ اور پھر دنیا میں ہر طبقہ اپنے اپنے طبقہ کے افراد کو ہی رجل صالح کہتے۔ اس لیے جب کسی کے رجل صالح کی دلیل قطعی موجود نہیں تو ان کی قبور کو مقدس ماننے کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ درست ہے کہ انسانوں کا کسی کو رجل صالح کہنا ان کی خوش اعتقادی، حسن ظن یا کم فہمی کا نتیجہ ہو سکتا لیکن قرآن کی نصوص نے جن کو قطعاً رجال صالحین کہا ہے ان کی قبور کے تقدس میں تو کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ ہماری مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام و اہل بیت عظام ہیں جن کو قرآنی نصوص نے صالحیت کی سند عطا کی۔ صحابہ کرام کے تقدس پر قرآن کی چند نصوص پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔قرآن کا ارشاد ہے۔ لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ، فیہ رجال یحبون ان یتطھروا (۴۸) (وہ مسجد جس کی اول روز سے بنیاد تقویٰ کی اساس پر رکھی گئی اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے افراد جو اس سے محبت رکھتے کہ وہ پاکیزہ ہو جائیں) اس آیت میں صحابہ کی شان بیان کی گئی کہ طہارت ان کی طلب بھی اور اوڑھنا بچھونا بھی۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے و لکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم

الکفر و الفسوق و العصیان اولئك هم الراشدون (۴۹)(لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب کر دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا۔ اور تمہارے لیے کفر، اور فسق اور عصیان کی نفرت پیدا کر دی۔ یہی ہدایت یافتہ ہیں)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کی گواہی دی اور ہر ناپاک چیز سے ان کے دلوں کے صاف ہونے کو بیان فرمایا۔

۳۔ ارشاد ربانی ہے۔ لا تجد قوما یومنون بالله و الیوم الاخر یوادون من حاد الله ورسوله ولو کانوا آباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشیرتهم اولئك کتب فی قلوبهم الایمان و ایدهم بروح منه و یدخلهم جنات تجری من تحتها الانهار خالدین فیها رضی الله عنهم ورضوا عنه اولا ئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون (۵۰)(آپ ان لوگوں میں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ایسے کوئی نہیں پائیں گے جو ان سے محبت کا تعلق رکھیں جن کو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی ہے اگرچہ وہ ان کے آباء و اجداد ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی ہوں، یا ان کے رشتہ دار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں ایمان نقش کر دیا گیا اور ان کی تایید روح القدس نے کی۔ یہ سب جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ خبردار یہ اللہ کا گروہ ہے اور اللہ کا گروہ ہی فلاح یافتہ ہے)

۴۔ ارشاد الہیہ ہے۔ واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداة و العشی یریدون وجهه ولا تعد عیناك عنهم (۵۱)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو ان کے ساتھ مضبوطی سے جوڑے رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، اسی کی رضا کے طلب گار ہیں، اور اپنی نظریں ان سے نہ ہٹائیے) اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ نبھانے اور انہیں اپنا بنائے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اور ان کی شان بیان کی گئی کہ وہ اللہ کی رضا کی طلب میں اللہ کو دن رات یاد کرتے ہیں۔

درج بالا نصوص کی روشنی میں صحابہ کرام کا مقدسین ہونا قطعی ہے اور ان پر اللہ کی رحمتوں کا ہر وقت نزول بھی قطعی ہے۔ ان قطعیات کے بعد ان کی قبور کا مقدس مقام ہونا بھی قطعی ثابت ہو جاتا ہے۔

قبر کی مشروع ہیئت وصورت

صحابہ واہل بیت کی قبور کے مقدس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ذیلی مگر ضروری بحث یہ بھی ہے کہ قبر کی بیرونی شکل، اس کا طول وعرض اور اس کی اونچائی کے شرعی احکامات کیا ہیں انکا تعین کی جائے؟ اس سلسلے کی

احادیث ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں

۱۔قبر میں سے نکالی گئی مٹی ہی اوپر ڈالی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تدفین کے موقع پر موجود تھے فرمایا لا تنقلوا صاحبکم قال سفیان یعنی الا یزاد علی تراب الحفرۃ (۵۲)(اپنے دوست پر بوجھ نہ ڈالو، سفیان کہتے ہیں مطلب یہ تھا کہ قبر کے گڑھے سے زیادہ مٹی قبر پر نہ ڈالو)

۲۔مثلث شکل کی قبر بنانا درست ہے۔ بخاری میں سفیان التمار کی روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ انہوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر دیکھی وہ مثلث شکل کی تھی انہ رای قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسنما (۵۳)

۳۔شرعاً قبر کی اونچائی ایک ''شبر'' ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے ان قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع جدثہ شبرا و جعلوا ظھرہ مسنما (۵۴)(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ایک بالشت اونچی بنائی گئی اور اس کی پشت تکون کی شکل کی ہے) شبر یعنی بالشت قدیم زمانے کا پیائش کا پیمانہ تھا جو آج کے پیمانے کے مطابق نو (۰۹) انچ یا ۲۳ سینٹی میٹر بنتا ہے۔(۵۵)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی اتنی سطح بلند بنانا وہ اس کا فرق سطح زمین سے واضح ہو مشروع ہے۔ اوپر احادیث بیان ہوئی ہیں جن میں قبور پر بیٹھنے سے منع فرمایا گیا۔ اگر وہ سطح زمین سے ایسی بلندی نہ ہوں کہ جن پر بیٹھا جا سکے تو ان پر بیٹھنے کی ممانعت کا مطلب ہی کوئی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دوسری صورت میں تو زمین پر بیٹھنا ہوا۔

درج بالا مباحث کے بعد انہدام اور اس کی اقسام پر اصول ونصوص شرعیہ کی روشنی میں گفتگو کی جاتی ہے۔

انہدام اور اس کی اقسام

منہدم کرنا کا لفظی مطلب مسمار کرنا اور تباہ کرنا ہے۔ اور یہ تعمیر کرنا کا نقیض ہے (لسان العرب)۔ اگر انسان کی معاشرتی زندگی اور تعمیراتی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو انہدام کے مقاصد کے اعتبار سے اس کی درج ذیل اقسام بنتی ہیں اور چونکہ ہمارا موضوع مقامات مقدسہ کے انہدام کی شرعی حیثیت ہے اس لیے انہدام کی ساری بحث اسی تناظر میں کی جائے گی۔

۱۔انہدام برائے توہین وتحقیر	۲۔انہدام برائے تجدید وتزئین

۳۔انہدام برائے توسیع	۴۔انہدام برائے استیصال وامحاء

۱۔انہدام برائے توہین وتحقیر

یہ انہدام کی وہ قسم ہے جس کا مقصود ومطلوب فساد فی الارض ہوتا ہے۔ مقدس ومتبرک مقامات کی

پامالی اوران کوتباہ کر کے ان کی عزت روندنا اس انہدام کی غایت ہوتی ہے۔قرآن مجید نے اس انہدام کی ایک ایسی کوشش کی مثال بیان کی ہے جو ناکام ہوئی لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے بدترین مثال تھی۔ابرہہ نے جب کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کے لیے لشکر کشی کی۔قرآن کا ارشاد ہے

الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل و ارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول (۵۶)

کیا تم نے دیکھا ہم نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔کیا ان کی چال کو برباد نہیں کر دیا گیا۔اور ان پر ابابیل پرندے بھیجے گئے جو ان پر نشان زد کنکریاں پھینکتے تھے تو ہم نے ان کو اس طرح کر دیا جس طرح کھایا ہوا بھس ہوتا ہے۔

قرآن مجید مزید صریح الفاظ میں اس انہدام کی مذمت کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔**ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا** (۵۷)اگر اللہ تعالیٰ بعض گروہوں کو بعض کے ذریعے دور نہ کر دیتا تو صومعے،عبادت گاہیں،معابد اور مساجد جہاں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے،سب منہدم کر دیے جاتے)

قرآن مجید نے اس انہدام کی کوششوں میں مصروف شخص کو بدترین ظالم قرار دیا۔قرآن کا ارشاد ہے

فمن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا (۵۸)(اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روک دیتا ہے تاکہ وہاں اللہ کا ذکر نہ ہوسکے اور ان کی بربادی کی کوششوں میں لگا رہتا ہے)

۲۔انہدام برائے تجدید و تزئین

مکانات وعمارات اپنی مدت پوری کرنے کے بعد بوسیدگی کا شکار ہو جاتی ہیں اور ان کی تعمیر نو کی ضرورت پیش آتی ہے۔یہ ایک فطری عمل جس سے چھٹکارا نہیں۔بسا اوقات طبعی وموسمی آفات وحادثات کے نتیجے میں تعمیرات کو ایسا نقصان پہنچ جاتا کہ ان کی تجدید ضروری ہو جاتی ہے۔اس امر کے پیش نظر تعمیر نو کے لیے مقدس مقامات کے انہدام کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔اس لیے شرعاً اس کا جواز رکھا گیا۔

قرآن مجید کی نصوص میں اس سے متعلق رہنمائی ملتی۔قرآن مجید میں مشرکین مکہ کی کعبۃ اللہ کی تعمیری کاوشوں سے متعلق تبصرہ موجود ہے۔اور کعبۃ اللہ کی جو تعمیر نو انہوں نے کی اس کے بارے قرآن کہتا ہے۔

اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاھد فی

سبیل اللہ لایستوون عند اللہ واللہ لایھدی القوم الظالمین (۵۹) کیاتم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اس طرح سمجھ لیا کہ یہ اللہ، یوم آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کے راستے مین جہاد کرنے کے مترادف ہے۔اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں۔اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

اسلوب قرآن سے اس عمل کے نیک اور مستحسن ہونے کا پتا چل رہا لیکن یہ سب کچھ ایمان کے ساتھ قابل قدر ہے۔

اسی طرح قرآن مساجد کی تجدید وتعمیر نو کے بارے کہتا ہے **انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر** (۶۰)۔یہاں یعمر سے مراد آباد کرنا ہے۔آباد کرنا اصل میں مسلسل تعمیری کاوشوں کا محتاج ہوتا۔جو تجدید وتزئین کو متضمن ہے۔

جہاں تک مقامات مقدسہ کی،حدود شرعیہ کے اندر رہ کر،تزئین وآرائش کے جواز کی بات ہے تو اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔قرآن میں ارشاد ہے **خذوا زینتکم عند کل مسجد** (۶۱)(ہر سجدہ گاہ کے پاس زینت اختیار کرو)۔اس آیت کے معانی سے ہی مساجد ومعابداور مقامات مقدسہ کی تزئین کا جواز ثابت ہوتا۔ اسراف وتبذیر کی حرمت تو واضح ہے اور تعیشات کے سلسلے میں مزاج شریعت میں بھی کوئی ابہام نہیں ان سب کو مدنظر رکھ کر تزئین وآرائش کا جواز ہے۔

۳۔انہدام برائے توسیع

نسل انسانی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی نے معاشروں کو پھیلا دیا اور شہروں میں انسانوں کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا کہ انتظام وانصرام کے رخنے ناقابل بیان حد تک بڑھ گئے۔آج امت مسلمہ کی آبادی ایک ارب سے متجاوز ہے اور سب کی آرزو اور دلوں کی لپک ہے کہ مکہ ومدینہ اور مقامات مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل کریں اور ایسا موقع ان کو بار بار تسلسل کے ساتھ ملے۔اس کے نتیجے میں مسجد حرام ومسجد نبوی کی توسیع ایک عملی ضرورت ہے۔اور توسیع کے لیے بار بار انہدام بھی لازمی امر ہے۔توسیع شرعاً محمود عمل ہے اور قرآنی آیات کے اشارات اس کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔**یا ایھا الذین اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم** (۶۲)(اے ایمان والو جب تمھیں کہا جائے کہ بیٹھنے کی جگہ میں وسعت پیدا کرو تو کشادگی پیدا کردیا کرو اللہ تمھیں کشادہ کردے گا) یہاں مجالس میں توسع کا حکم دیا گیا۔مجلس اسم ظرف مکان ہے جس کا مطلب ہے بیٹھنے کی جگہ۔یہ آیت اشارتاً دلالت کرتی ہے کہ مسجد حرام ونبوی میں بیٹھنے کی جگہ میں توسیع مشروع امر ہے۔اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد باری

تعالیٰ ہے۔

یا عبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون (۶۳)(اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین بہت وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو) اس آیت میں عبادت اور زمین کی وسعت کو اکٹھا لایا گیا ہے۔ یہ اقتران دلالت کرتا ہے کہ عبادت گاہوں یا اللہ کی یاد کی جگہوں میں توسیع مستحسن عمل ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماعی عمل ہے اس کے مشروع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ توسیع کے سلسلے میں قرآن وسنت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ بنیادی اصول وضع کیے جائیں جن کی روشنی میں ہر توسیع کو بروئے کار لایا جائے۔ کیونکہ توسیع اپنی ذات میں مقصود نہیں بلکہ مقصود کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ توسیع کے سلسلے میں درج ذیل نکات اہم ہیں

۱۔ توسیع کا ایسا انداز کہ جس کے نتیجے میں مقامات مقدسہ کی حیثیت ثانوی رہ جائے نامناسب عمل ہے۔ مثلاً صفا ومروہ کو قرآن نے شعائراللہ کہا ہے۔ (۶۴) شعار ہر وہ چیز ہوتی جو کسی کا ایسا نشان ہوتی جس کی اس کی شناخت ہوتی۔ ان کا اگر توسیع کے عنوان کاٹ کر مختصر کر دیا جائے اور ان کا اس طرح چھپا دیا جائے کہ سعی کرتے وقت ان کا نام ونشان ہی نہ ہو اس کا شرعی جواز کم از کم قرآن وسنت اور سلف صالحین کی کتب فقہ میں موجود نہیں۔ سعی کرنے والے آج ایک گیلری میں دوڑ رہے ہوتے جس میں جدت تو خوب ہے مگر صفا ومروہ کی زیارت اور ان کی جانب لپکنے کی بجائے ایک دیوار سے دوسری دیوار تک دوڑ ہے۔ شعائراللہ کے ساتھ ایسا انداز اختیار کرنا کوئی شرعی جواز نہیں رکھتا۔

۲۔ توسیع کا مقصود حجاج ومعتمرین کے لئے عبادت میں سہولت ہونا چاہیے نہ تعمیری انفرادیتوں کے کمالات کا اظہار اس کی اصل بن جائے۔ اربوں روپیہ لگا کر پھر نئے سرے سے اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دینا مزاج شریعت کے موافق نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں قیصر وکسریٰ کے محلات موجود تھے اور ان کے کلیسا و معابد بھی دنیاوی زیب وزینت کے تمام لوازمات سے سجے ہوئے ہوتے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو نہ صرف مطلوب نہیں بنایا بلکہ اپنے عمل سے اس طرز زندگی کی مذمت کی۔

۳۔ حرم مکہ اور مسجد نبوی میں توسیع کا دوسرا مطلب آثار صحابہ کو ملیامیٹ کرنا نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام اپنے ماضی سے منسلک ہے اور ہم اپنے لیے روحانی غذا صدیوں پہلے کے دور سے پاتے ہیں۔ توسیع آثار کو برقرار رکھ کر بھی جا سکتی۔ اور احیاء واقامت توحید کو آثار مقدسین کے خاتمے سے منسلک کر دینا درست فہم کی علامت نہیں۔

۴۔ انہدام برائے استیصال وامحاء

انہدام آثار و مقامات مقدسہ کی چوتھی صورت وہ ہے جس میں اس دعویٰ کے ساتھ آثار مقدسہ خاتمہ کر دیا جاتا ہے کہ ان کے مٹانے سے شرک کا خاتمہ ہوگا اور توحید صحیح معنوں میں قائم ہوگی۔ اس انہدام کی زد میں آنے والی زیادہ تر صحابہ کرام کی قبور ہیں جن کا نام ونشان استیصال وامحاء شرک کے عنوان سے مٹایا گیا ہے۔ حالانکہ

ا۔ یہ قبور عہد نبوی، عہد صحابہ وتابعین اور اس کے بعد صدیوں تک اسی حالت وشکل میں موجود تھیں۔ اور ان کا مٹانا بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ صدیوں سے اسی طرح تھیں ورنہ مٹانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ نے جس چیز کو باقی رکھا اس کو مٹا دینا دلیل قطعی کے بغیر جائز نہیں کہا جا سکتا۔

۲۔ قرآن مجید میں بھی قبور کے بقا کی جانب دلالت موجود ہے۔ **ولا تقم علی قبرہ** کی آیت سے درج ذیل حکم حاصل ہوتے ہیں

(الف) قبرہ (اس کی قبر) کے الفاظ ظاہر کرتے کہ قبور کی ایسی شناخت باقی رکھی جائے گی جس کسی کی قبر کی تعیین ہوگی۔ ورنہ" قبرہ" کا کیسے پتا چل سکتا؟

(ب) ولا تقم علی قبرہ کا حکم آیت کے پچھلے حصہ پر عطف ہے جس میں کہا گیا ولا تصل علی احد منھم مات ابداً۔ (ان کا کوئی مر جائے تو کبھی بھی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ گویا یہ ابدی حکم ہے کہ نہ تو جنازہ پڑھیں اور قبر پر کھڑے ہوں۔ اگر قبر کا خاتمہ مشروع ہوتا ابدی حکم نہ ہوتا کہ کبھی بھی اس کی قبر پر جا کر کھڑے نہ ہوں۔ حکم کی ابدیت قبر کی بقا کے بغیر ممکن نہیں۔

(ج) یہ شخص منافق تھا لیکن اس کی قبر کے خاتمہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی قدم نہیں اٹھایا کیونکہ قرآن نے یہ حکم نہیں دیا۔ **اھدم قبرہ** اس کی قبر کو منہدم کر دو۔ بلکہ کہا کہ لا تقم علی قبرہ

(۳) صحابہ کی قبور کے خاتمہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان احادیث کو دلیل بنایا جاتا جن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبور کا تسویہ کرنے کا عمل معروف ہے۔

ان احادیث میں سے بطور مثال دو ذکر کی جاتی ہیں۔

الف۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ **الا تدع قبرا الا سویتہ و لا تمثال الا طمستہ** (۹۵) (نہ چھوڑنا کوئی قبر مگر جس کو برابر نہ کر دے اور نہ کوئی تصویر چھوڑنا جس کو مٹا نہ دے)

ب۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ روم میں ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا۔ حضرت فضالہ

نے قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یامر بتسویتھا (۶۶)

سب سے زیادہ جس روایت کو ماخذ استدلال بنایا جاتا ہے وہ سیدنا علیؓ کی ہی روایت ہے۔ حالانکہ اس روایت کا داخلی قرینہ ہی بتا رہا کہ جن قبور کو برابر کرنے کا حکم دیا وہ مشرکین کی قبور تھیں۔ اول اس لیے کہ صحابہ کی قبور خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بنی تھیں یا خود صحابہ نے بنائی تھیں۔ یہ کیسے ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس طرح کی قبور بنوائی ہوں اور پھر خود ہی مسمار کرنے کا حکم دیں۔ ثانیاً اس حدیث کا دوسرا ٹکڑا بالکل واضح کر رہا کہ یہ مشرکین کی قبور کو برابر کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ الفاظ ہیں" کوئی تصویر یا مجسمہ نہ چھوڑنا جس کو مٹانہ دو" صحابہ کیسے تصویریں اور مجسمے بنا سکتے کہ جن کو قبور کے ساتھ ملحق کر کے مٹانے کا حکم دیا۔اور حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ تصاویر قبور کے گرد ہوتی تھیں۔اور تسویہ کا جو مفہوم ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر سے واضح ہے کہ قبر ایک شبر اونچی ہوگی۔

۴۔ سیدنا عمرؓ کے حدیبیہ کے مقام پر موجود اس درخت کو اکھاڑ دینے پر قیاس کر کے قبور کا خاتمہ کرنا شروع سمجھا گیا۔ حالانکہ درخت پر قبر کا قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ نیز درخت کو جو فضیلت اور تقدس حاصل تھا وہ تو سارے مدینہ کو حاصل تھا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک اور آپ کی نشست و برخاست کی جگہ ہونا۔ تو جب یہ فضیلت تو پورے مدینہ کو حاصل تھی تو اسے محض اس درخت تک محدود کر دینے کی کوئی دلیل نہ تھی۔

یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کے اس درخت کو کٹوا دینے کی روایت جو نافع مولی ابن عمرؓ سے مروی ہے،(۶۷) مشہور ضرور ہے مگر اس درخت کے بارے میں دیگر متعدد روایات اس روایت کے خلاف ہیں۔ دوسری روایت بھی نافع کی ہے کی سالوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب حدیبیہ سے گزرے تو ان کو اس درخت کے بارے کچھ یاد نہ تھا کہ کہاں ہے؟ وہ آپس میں ایک دوسرے اختلاف کرنے لگے (ایک کہے کہ یہاں تھا اور دوسرا کہے کہ یہاں تھا)۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا یہ اللہ کی رحمت ہے(۶۸) بخاری میں روایت ہے کہ سعید المسیب نے عبدالرحمان سے فرمایا جب انہوں بتایا کہ لوگ وہاں نماز ادا کرتے ہیں کہ میرے والد بیعت رضوان مین شامل تھے۔ وہ بیعت سے اگلے سال حج کے لئے گیے تو انہیں وہ درخت بھول گیا تھا کہ جس جگہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو تو درخت کی جگہ یاد نہ رہی اور تم لوگ اسے جانتے ہو، کیا ان سے زیادہ باخبر ہو؟(۶۹)۔ روایات کا یہ اختلاف اس بات کو غیر یقینی بناتا ہے کہ اس درخت کو حضرت عمرؓ نے کٹوایا تھا۔(۷۰) اور اگر کٹوایا تھا تو وہ درخت وہ تھا جسے لوگوں نے مقدس بنالیا تھا حقیقت میں بیعت والا درخت وہ نہیں تھا۔

قرآن نے اس درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کی شان اور مقام ومرتبہ بیان کرتے ہوئے کہا **لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم** (۷۱) (اللہ راضی ہوگیا مومنین سے جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا اسی لیے اس نے ان پر اپنی رحمت نازل کی) انسانوں کی قبور کے تقدس کو درخت پر قیاس کرنے کے لیے کوئی علتِ اشتراک موجود نہیں۔ صحابہ کو فضیلت اصلاً اور دائماً حاصل ہے جب کہ درخت کی فضیلت وقتی تھی۔ قبور میں صحابہ کا بالبدن و بالفعل مدفون وموجود ہونا امور قطعیہ، مستمرہ و دائمہ میں سے ہے جب کہ درخت کے نیچے بیٹھنا وقتی عمل تھا۔ نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ درخت اکھڑوایا گیا تو اس کی علت وہاں نماز کو مشروع سمجھنا اور لوگوں کا وہاں نماز ادا کرنا تھا۔ نیز اگر ایک علت کہیں پائی جاتی ہے تو اس کے تدارک کے لیے کوئی انتقامی عمل کیا جائے تو اس عمل کا ہر جگہ کرنا واجب نہیں ٹھہرتا۔

مقامات مقدسہ کے انہدام سے متعلق اصولی مباحث

اس بحث کا اختتام اصولی گفتگو پر کیا جاتا جس کی روشنی میں مسئلہ زیر بحث مزید نکھر کر سامنے آجائے گا۔

۱۔ کیا زائرین کے فسادِ عقیدہ وعمل کے باعث مقام مقدس نجس یا قابل ازالہ ہو جاتا؟

صحابہ کرام کی قبور مقدسہ یا بعض دیگر مقدس اشیاء ومقامات کے مٹانے کے لیے جس چیز کو مطلوب ومقصود بیان کیا جاتا ہے وہ بدعات وشرکیات کا خاتمہ ہے۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مقام مقدس زائرین کے فسادِ عقیدہ وعمل کے باعث مقام مقدس شرعاً نجس یا قابل ازالہ ہو جاتا؟؟ اگر شرعاً نجس یا قابل ازالہ ہو جاتا ہے تو کعبہ کا کیا حکم بنے گا کہ جس کے اندر اور اس کے ارد گرد سالہا سال بت پرستی ہوتی رہی؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے بتوں کو نکلوا دیا مگر اس کو تو اندر و بیرون سے دھلوایا بھی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ **لعن اللہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد**۔ اس حدیث میں واضح طور پر اس شرک کی مذمت ہے جو انبیاء کی قبور پر ان کے غالی وگمراہ امتیوں نے کیا لیکن یہ حدیث ان قبور کے بقاء پر دلیل ہے کیونکہ اگر یکے بعد دیگرے آنے والے انبیاء ان قبور کا خاتمہ کرتے رہتے تو یہ شرک نہ ہوتا؟ بنی اسرائیل میں ہزاروں انبیاء آئے اگر شرک سے ان کی قبور کو (نعوذ باللہ من ذالک) کوئی نجاست لاحق ہوتی اور ان کی قبور کو مٹا دینا مشروع ہوتا تو ہر نبی اپنے پیشرو کی قبر مٹاتا۔ مزید برآں کسی کا فسادِ عقیدہ وعمل تو کہیں بھی ظہور پذیر ہو سکتا ہے اس کے خاص قبور کی کوئی قید نہیں تو کیا جہاں بھی کسی کے فسادِ عقیدہ یا عمل کا اظہار ہوگا اس جگہ یا چیز کو مٹا دیا جائے گا؟ اس اصول کے تحت تو کچھ بھی سلامت نہیں رہ سکتا۔

۲۔ کیا قبور صالحین شرک وفسادِ عقیدہ کی علت یا سبب ہیں؟

دوسرا بنیادی سوال قبورِ صحابہ کو مٹانے کے نتیجے میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کی قبور شرک وفسادِ عقیدہ کی علت یا سبب ہیں؟ کیا دنیا میں شرک کی بنیادی وجہ قبروں کا وجود ہے؟ کیا صحابہ کی قبروں کے باعث شرک وجود پذیر ہوتا تھا یا کہ لوگوں کے عقیدوں کا فساد ان قبور پر آ کر شرک کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے؟ صحابہ کی قبروں کا وجود اگر شرک کی وجہ یا اصل محرک ہوتا تو امت مسلمہ صدیوں سے وہاں شرک ہی کر رہی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ علت موجود ہو اور معلول نہ ہو؟ صدیوں ان قبروں کا موجود رہنا اور امت مسلمہ کے علماء، فقہاء، عابدین و صالحین کا ان کی زیارت کے لیے آنا یہ ثابت کرتا کہ ان کا وجود شرک کی علت اور بنیاد نہیں۔ ورنہ پوری امت مشرک قرار پائے۔ اصل علت عقائد کا فساد ہے تو علت کا خاتمہ کرنے کی بجائے ان اصحاب کی قبور کو مٹا دینا جن سے دنیا میں توحید کا علم بلند ہوا، کوئی دلیل نہیں رکھتا۔ اسی طرز کا فسادِ عقیدہ کعبہ کے غلاف، زمزم، مقام ابراہیم، مدینہ کی مٹی بہت سے مقدس مقامات سے منسلک ہو سکتا ہے جیسا بعض افراط وغلو کا شکار افراد اظہار کرتے ہیں تو کیا سب چیزوں کا مٹانا شریعت کا حکم بن جائے گا؟ اور ان سب مقامات واشیاء کو شرک کی وجہ سمجھ لیا جائے گا (نعوذ باللہ من ذالک)

یہ معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ احادیث صحیحہ کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں موضوع وضعیف احادیث وجود میں آئیں۔ کیا کسی محدث کے ذہن میں بھی یہ خیال آیا کہ حدیث کے باعث ہزاروں لوگ گمراہ ہو گئے اس لیے سب کا خاتمہ کر دیا جائے یہ تو منکرین حدیث نے رویہ اختیار کیا اور حدیث کے خاتمہ کو دین قرار دیا اور دلیل ضعیف وموضوع حدیثوں کو بنایا۔ قرآن نے تو اپنی امثال کے بارے کہا: **فاما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد الله بهذا مثلا یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا** (۲:۲۷) (جو اہل کفر ہیں وہ کہتے ہیں اللہ اس مثال کے ذریعے کیا چاہتا ہے؟ بہت سے اس کے باعث گمراہ ہوا جاتے ہیں اور بہت سے اس کے باعث ہدایت پاتے ہیں) اللہ تعالیٰ امثال القرآن کے بارے خود فرما رہے یضل بہ کثیرا۔ کیا امثال القرآن کا خاتمہ کیا جائے گا یا گمراہوں کو مطعون کو مقہور قرار دیا جائے گا؟

۳۔ کسی صالح عمل سے غیر صالح نتیجہ برآمد ہونا اس صالح عمل کو مٹا دینا لازم کرتا ہے؟

انسانی زندگی کے شب وروز اس کے گواہ ہیں کہ نہایت حسن اعتقاد سے کیا صحیح عمل بھی بعض اوقات ثمر آور ہونے کے بجائے آزمائش کا باعث بن جاتا ہے۔ کسی صالح عمل یا چیز سے نقصان دہ یا ضرر رساں نتیجہ برآمد ہونا کیا اس عمل کو قابل طعن بناتا؟ کیا اس کی وجہ سے اس صالح عمل یا چیز کا خاتمہ کر دینا لازم ہو جاتا؟ ہم

سب جانتے ہیں کہ مسلم معاشروں کے خاندانوں میں بہت بڑی فساد کی وجہ نکاح وطلاق کے مسائل ہیں۔ اگر عدالتوں میں جا کر مقدمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہزاروں خاندان اجڑ چکے اور بہت سے ان مسائل کے باعث قتل وغارت کا شکار ہوئے۔ اور یہ سب کچھ نکاح کے بعد ہی ہوتا ہے۔ کیا سب شر وفساد جو بالفعل برپا ہے اس کی وجہ نکاح کو قرار دیا جا سکتا ہے؟ (جیسا کہ بہت سے لادین اور لبرل اسی کو بنیاد بنا کر نکاح کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں)۔ کیا ضروری ہوگا کہ اس فساد کے خاتمے کے لیے معاشرہ سے نکاح کا خاتمہ کر دیا جائے جیسا کہ مغربی اقوام نے کیا اور بے نکاح ازدواجی تعلقات کو فروغ دیا۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ ان معاشروں میں خاندانی فسادات نہیں ہیں کیونکہ خاندان کا ادارہ ہی اپنی صحیح شکل میں موجود نہیں رہا۔ یہ اسلوب استدلال ہی باطل ہے کیونکہ کسی چیز کا خیر ہونا اس سے حاصل ہونے نتیجے پر نہیں ہوتا۔ حج کے دوران اگر سینکڑوں افراد کو مختلف بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا تو اس کی وجہ سے حج کو مطعون نہیں کیا جائے گا۔ قبور صحابہ کرام پر آکر کسی سے شرکیہ افعال کا صدور ہوا تو اس سے ان قبور کی صالحیت وتقدس کا خاتمہ نہیں ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر صالح ومقدس چیز سے ہمیشہ صالح ونافع نتائج برآمد ہونا ناممکن ہے۔ اور مسلمان افعال ورجال کے تقدس کو فائدے اور نتیجے سے نہیں ناپتے بلکہ دلیل شرعی سے طے کرتے ہیں۔

اس لیے امت مسلمہ میں دعوت دین کا کام کرتے ہوئے اصلاح عقاید کی کوشش کرنی ضروری ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب واہل بیتؓ کے آثار کا خاتمہ کرنا مستحسن عمل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ الاعراف۔۱۷۲　　۲۔ العلق۔۱۹

۳۔ الجن۔۱۸　　۴۔ آل عمران۔۹۶

۵۔ علامہ اقبالؒ کے شعر کا ٹکڑا۔ بانگ درا میں فرماتے ہیں: خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر　پھر مانتا ان دیکھے خدا کو کیونکر

۶۔ الرعد۔۷　　۷۔ فاطر۔۴۳　　۸۔ المائدہ۔۱۳

۹۔ البقرۃ۔۱۸۳　　۱۰۔ آل عمران۔۹۷

۱۱۔ حنفیہ کے نزدیک قرآنی نصوص اپنے معانی پر دلالت ان چار طرق سے کرتی ہیں۔ استنباطات کے دیگر طرق میں قیاس، دلالت اقتران، دلالت ترتیب اور دلالت اسلوب قرآن وغیرھم شامل ہیں۔

التفتازانی، سعد الدین مسعود، شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی اصول الفقہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶،